© rasailojaraid.com

حرفِ اوّل

اقامتِ دین کی جِدّوجُہد کیوں ضروری ہے...؟

دین اسلام کی بنیاد پر اخروی فوز وفلاح کے لیے دو باتیں ضروری ہے۔ایک یہ کہ آپ کا تصورِ دین صحیح ہو‘اور دوسرا اس تصورِ دین پر عمل کرنے کا طریق کار نبوی ہو۔اہل علم کی اصطلاح میں مقدم الذکر کو عقیدہ جبکہ مؤخر الذکر کو منہج کہا جاتا ہے۔اگر کسی شخص کے عقیدہ یا تصورِ دین میں کہیں نقص یا کجی ہوگی تو کتاب وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں اس کی اخروی نجات کی خواہش ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی ۔ ہر دور میں علماء وفقہاء دین اسلام کے خالص تصورات پر پڑنے والے حجابات کو رفع کرنے کی کوششیں کرتے رہے تا کہ خلقِ خدا کے سامنے دین اسلام کا صحیح تصور ہر دور اور ہر حال میں روزِ روشن کی طرح عیاں رہے۔حق پرست اہلِ علم نے جہاں صحیح تصورِ دین کی حفاظت اور فروغ میں اپنی زندگیاں کھپائیں‘ وہیں انہوں نے اسلامی معاشروں میں دین کے نفاذ واجرا کے لیے بھی ہر دور میں اپنی خدمات پیش کیں‘ اور اپنے زمان ومکان اور حالات ومقتضیات کی روشنی میں عوام الناس کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا۔

انیسویں اور بیسویں صدی میں مغربی اقوام کے پوری دنیا پر سائنسی اور سیاسی غلبے نے جہاں دوسرے مذاہب اور ملکوں کے حدودِ اربعہ کو متاثر کیا‘ وہیں مسلمان معاشروں پر بھی اپنے افکار ونظریات اور تہذیب وتمدن کے گہرے اثرات مرتب کیے۔سلطنت عثمانیہ کے زوال اور مغربی اقوام کے ہاتھوں اکثر مسلمان ممالک کے سیاسی طور پر مغلوب ہو جانے کے باعث مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت کا کل تصورِ دین بس ذاتی عبادت واصلاح نفس تک محدود ہو کر رہ گیا۔اگر کہیں سے معاشرے کی اصلاح کی آوز لگائی گئی تو وہ بھی اکثر وبیشتر اصلاحِ عقائد ورسوم یا دعوت وتبلیغ کے میدان تک محدود رہی‘ اور حکومت وریاست‘ قانون‘ معیشت وسیاست کی اصلاح کا تصور‘ دین سے (الا ماشاءاللہ) خارج قرار پایا۔ایسے میں اللہ تعالیٰ نے علامہ محمد اقبال‘ مولانا ابوالکلام آزاد‘ مولانا مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد رحمہم اللہ جیسی شخصیات کا انتخاب فرمایا کہ جنہوں نے دین کے انفرادی واجتماعی تصورات کو خوب اچھی طرح واضح کیا اور دین اسلام کو ایک ایسے مکمل ضابطہ حیات کی صورت میں متعارف کروایا کہ جس میں زندگی کے ہر چھوٹے بڑے شعبے کے لیے رہنمائی موجود ہے۔

کبھی وقت تھا کہ دین کے اس جامع تصور کو بدعت سے کم درجہ نہیں دیا جا رہا تھا اور مسلمان معاشروں کے بہترین دماغ اس تصورِ دین کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے اور اس پر نقد کر رہے تھے...‘ لیکن آج یہ تصور بفضل اللہ تعالیٰ گاؤں گاؤں اور بستی بستی عام ہو چکا ہے۔آج ہر خاص وعام کی زبان پر یہ کلمات جاری ہیں کہ دین اسلام صرف مسجد تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ کار اور اختیار واقتدار پارلیمنٹ اور سپریم کورٹ پر بھی قائم ودائم ہے‘ اور ہونا چاہیے۔

اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اقامتِ دین اور اس کی فرضیت کی بھی فرد اور اجتماعیت کے اعتبار سے دو سطحیں ہیں۔ انفرادی سطح یہ ہے کہ ہر کلمہ گو اپنی ذات پر دین قائم کرنے کی مقدور بھر کوشش کرے اور اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے اسے اللہ کی اطاعت میں دے دے —— یہ عینی طور پر فرض ہے۔ظاہر ہے کہ اسے یہ کام خود کرنا ہے اور کسی دوسرے کے کرنے سے خود اُس فرد سے اس کا مطالبہ ختم نہیں ہوسکتا۔اس میں دو رائے نہیں ہوسکتیں۔البتہ ایک معاشرے اور ملک وریاست کی سطح پر اقامتِ دین اور جہاد وقتال کی فرضیت کا معاملہ ہے جو کہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہے۔اس میں امورِ سیاست‘ عدالت وقضا‘ امن وامان کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قیام اور امورِ سفارت و معیشت وغیرہ سب شامل ہیں جن کا بار اصلاً انتظامیہ‘ مقننہ اور دیگر ریاستی اداروں پر ہے نہ کہ عام عوام پر۔

تاہم یہ بات امر مسلم ہے کہ آج مسلمان ملکوں‘ حکومتوں‘ اور عوام کا معاملہ ماضی کے حالات سے یکسر مختلف ہے۔ اب نہ تو اُمت بحیثیت اُمتِ مسلمہ کہیں پائی جاتی ہے اور نہ ہی حکومت و ریاست کے اربابِ اختیار اپنے اُس فرض عین کی ادائیگی پر کمر بستہ ہیں جس کا تذکرہ سطور بالا میں کیا گیا ہے۔ لہٰذا جو فریضہ انتظامیہ‘ مقننہ اور دیگر ریاستی اداروں پر عائد ہوتا تھا اب کے حالات میں اُس کی ذمہ داری پوری امت پر اجتماعی طور پر عائد ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متقدمین و متاخرین علماء میں اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ ریاست و حکومت کی سطح پر دین کا قیام‘ یا بالفاظِ دیگر ’’نصبِ امامت‘‘ دین کے عظیم ترین فرائض میں سے ایک ہے☆۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ’’اِس بات کا جاننا ضروری ہے کہ ریاست و حکومت کا قیام دین کے عظیم ترین فرائض میں سے ہے‘ دین کا قیام اس کے بغیر ممکن ہی نہیں‘‘۔ علامہ تفتازانیؒ نے ’’شرح المقاصد‘‘ میں لکھا ہے: ’’امام کا مقرر کرنا ہمارے نزدیک واجب سمعی ہے (یعنی دلیل نقلی سے ثابت ہے)‘‘۔ امام ابن حزمؒ نے تو صراحتاً فرضیت امامت کبریٰ پر اجماع نقل کیا ہے‘ اور صرف ’’خوارج‘‘ جیسے گمراہ طبقے کو اس اجماع کا مخالف بتایا ہے۔ امام کے مطابق: ’’نصبِ امامت کے وجوب پر جو اجماع ہے اس کی کسی نے مخالفت نہیں کی سوائے خوارج میں سے ایک فرقہ کے۔ وہ کہتے ہیں کہ لوگوں پر یہ لازم نہیں کہ وہ امام مقرر کریں‘ بلکہ ان پر تو اس قدر ذمہ داری ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق برابر ادا کریں‘‘۔ اور ہمارے خیال میں اس فرقہ میں سے کوئی بھی آج موجود نہیں‘‘۔ عظیم مؤرخ‘ فلسفی‘ فقیہ اور ماہر علوم معاشرت علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں: ’’بے شک امام (خلیفہ) کا مقرر کرنا فرض ہے۔ اِس کا وجوب شریعت سے‘ صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہوتا ہے...... اور اسی طرح ہر زمانے میں ہوتا رہا اور اس بات پر اجماع ہو گیا جو نصبِ امامت کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔‘‘

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی اس مسئلہ میں کافی کلام فرمایا ہے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے مقاصدِ بعثت اور ان کے حصول کی نبوی تدابیر کا تفصیلاً ذکر کرنے اور اقامتِ دین اور نصبِ امامت کی اہمیت و فرضیت پر سیر حاصل گفتگو کرنے کے بعد لکھا ہے: ’’خدا تعالیٰ نے جہاد کو‘ قضا کو‘ علومِ دینیہ کے زندہ کرنے کو‘ ارکانِ اسلام کے قائم کرنے کو‘ بلادِ اسلامیہ سے کفار کے دفع کرنے کو فرضِ کفایہ قرار دیا ہے اور تمام امور‘ امام (یعنی خلیفہ) کے مقرر کیے بغیر صورت پذیر نہیں ہو سکتے‘ اور (قاعدہ کلیہ ہے) کہ فرض کا حصول جس چیز پر موقوف ہو اس کا حصول بھی فرض قرار پائے گا اور اس قاعدہ پر بڑے بڑے صحابہؓ نے اُمت کو متنبہ کر دیا ہے۔‘‘

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی دینی جدوجہد کا مرکزی نکتہ بھی اسی دینی فریضہ کی علمی و عملی آبیاری ہی تھا۔ وہ لکھتے ہیں: ’’ہر ذی شعور مسلمان کا اولین فرض ہے کہ وہ اللہ کی محبت سے سرشار ہو کر اپنی پوری زندگی اس کی کامل اطاعت میں دے دے (جو لازماً اطاعتِ رسول ہی کے واسطہ سے ہو گی)۔ اس رویے کا نام عبادتِ رب ہے جو کہ ہر انسان سے اللہ کا پہلا مطالبہ ہے اور جس کی طرف نوعِ انسانی کو دعوت دینے کے لیے تمام انبیاء و رسل مبعوث ہوئے اور جو از روئے قرآن جنوں اور انسانوں کا عین مقصدِ تخلیق ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس پر لازم ہے کہ اپنی صحت و قوت‘ فرصت و فراغت‘ صلاحیت و استعداد‘ مال و دولت اور وسائل و ذرائع کا زیادہ سے زیادہ حصہ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر‘ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر‘ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل‘ دعوت الی اللہ اور تبلیغِ دین‘ نصرتِ خدا اور رسول ﷺ اور حمایت و اقامتِ دین اور شہادت علی الناس اور اظہارِ دینِ حق علی الدین کلہ کے لیے وقف کر دے اور اس کے لیے محنت و مشقت‘ انفاق و ایثار‘ ترک و اختیار‘ ابتلاء و آزمائش‘ صبر و مصابرت‘ استقامت و مقاومت...... الغرض ہجرت و جہاد فی سبیل اللہ کے جملہ مراحل کے لیے مقدور بھر ہمت و عزیمت کی راہ اختیار کرے۔ یہ تمام فرائض ہر مسلمان پر حسبِ صلاحیت و استعداد اور مطابق وسعت و قوت عائد ہوتے ہیں اور ان کی انجام دہی میں ہی بندے کی وفاداری کا اصل امتحان ہے‘‘۔ دبستانِ ڈاکٹر اسرار احمدؒ اسی تراثِ علمی کا علمبردار ہے!

☆ نوٹ: تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجیے اویس پاشا قرنی کی زیرِ طبع کتاب ’’اقامتِ دین: فرضیت اور طریق کار‘ چند مباحث‘‘۔

© rasailojaraid.com